اردو میں ادبی اداریہ نویسی کی روایت "نگار" کے تناظر میں

The Tradition of Literary Editorial Writing in Urdu in the Context of "Nigar"

تسنیم کوثر قریشی (پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر)
شعبہ اردو دی ویمن یونیورسٹی ملتان

Tasneem Kousar Qureshi (Ph.D Research Scholar)
Urdu Department, WUM.

Abstract

Editorial writing is a part of Journalistic culture. Literary Editorial writing in Urdu started from newspapers. Editorials are usually written by an editor of a magazine or news paper. The editorial is not only a reflection of the editor's temperament and taste, but also represents the policies that are consistently considered essential to this particular journal. Historically, the first impression of literary editorial writing in Urdu are found in Tehzeeb-ul-Akhlaq (1870) After that, these early trends in editorial writing in Urdu literature continued to evolve in different periods. Among the early periodicals and journals, Makhzan, Zamana, Asmat, Salay-e-Aam, Humayun, Nigar, Nerang-Khayal are not only noteworthy but also important. But his editorials refrained from interfering in matters of debate, criticism, debate, affirmation and negation, and linguistic and scientific matters. "Nigar" is the most important of these. Nigar avoided any compromise in academic matters, and turned institutional writing into art. This tradition of Nigar was followed by later magazines. It is clear from the history of literary editorial writing that over time, journals have tried to understand their perspectives by making their presentation, content layout and literature the subject.

Keywords: Editorial writing، first impression, Tehzeeb-ul-Akhlaq, refrained, debate Nigar , compromise, perspective ,content, layout.

ملخص:

اداریہ نویسی صحافتی تہذیب کا حصہ ہے۔ اردو میں ادبی اداریہ نویسی کی ابتدا اخبارات سے ہوئی ۔ اداریہ عام طور پر اخبار یا رسالے کا مدیر لکھتا ہے ۔ اداریہ صرف مدیر کے مزاج اور مزاق کا ہی عکاس نہیں ہوتا بلکہ ان پالیسیوں کی بھی نمائندگی کرتا ہے جو تسلسل کے ساتھ اس مخصوص جریدے کا لازمہ تصور کیے جاتے ہیں ۔ تاریخی اعتبار سے اردو میں ادبی اداریہ نویسی کے ابتدائی نقوش سر سید احمد خان کی ادارت میں شائع ہونے والے رسالے "تہذیب الاخلاق" (1870) میں موجود ہیں اس کے بعد اردو ادب میں اداریہ نویسی کے یہ ابتدائی رجحانات مختلف ادوار میں ارتقائی مدارج طے کرتے رہے ابتدائی دور کے رسائل و جرائد میں مخزن، زمانہ،

عصمت، صلائے عام، ہمایوں، نگار، نیرنگ خیال، قابل ذکر ہی نہیں بلکہ اہم ہیں۔ لیکن ان کے اداریے بحث طلب امور تنقید و تبصرہ، مذاکرہ و مناظرہ، اثبات و نفی اور لسانی اور علمی معاملات میں دخل اندازی سے پرہیز کرتے تھے۔ ان رسائل میں نگار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے جسے ۱۹۲۱ میں نیاز فتح پوری نے جاری کیا ۔ لیکن نگار نے علمی معاملات میں کسی بھی سمجھوتہ سے گریز کیا۔ اور اداریہ نویسی کو ایک فن بنادیا۔ نگار کی اس روایت کی پیروی اس کے بعد آنے والے رسائل نے کی ۔ ادبی اداریہ نویسی کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ رسائل نے اپنی پیشکش، مواد کی ترتیب اور ادب کو موضوع بناتے ہوئے اپنے تناظرات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

کلیدی الفاظ: اداریہ نویسی، صحافت، مدیر، پالیسی، مزاج، مزاق، سرسید احمد خان، ابتدائی رجحانات، ارتقائی مدارج، نگار، سمجھوتہ سے گریز، فن ، مواد کی ترتیب ، تناظرات۔

اردو صحافت میں اداریہ نویسی کی تاریخ تقریباً دو سو سال قدیم ہے روزنامہ اخبارات میں ادبی اداریوں کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن آج مغربی ادب میں صحافت اور ادب ایک دوسرے سے ہم قدم ہیں اور اس نئے رجحان نے اچھی صحافتی تحریر کو ادب میں سلیس اور عمدہ ادبی تحریروں کو صحافت میں شامل کیا ہے ادب کا یہی صحافیانہ کردار اسے خاص علمی اور تکنیکی تحریروں سے ممتاز بناتا ہے عام صحافت کی طرح ادبی صحافت میں بھی دلچسپی یا محدود انداز کی سنسنی خیزی سے اجتناب ممکن نہیں ہوتا جو جریدے میں قاری کی کشش کو قائم رکھنے، ہر نئے شمارے کا انتظار کرانے جیسے محرکات کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں صحافت کی اس کمی کو اردو کے ادبی رسائل نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اداریئے کی کوئی واضح شکل نہیں تھی اور نہ ہی کوئی نمائندہ اصول تھے لیکن زبان و ادب کی ترقی کے ساتھ ساتھ اداریہ نویسی ایک فن کی شکل اختیار کرتی گئی اور اس کے معنی و مفہوم میں وسعت پیدا ہوئی۔

اداریہ کی تعریف و توضیح سے قبل مناسب ہو گا کہ اردو لغت میں اس کے معنی پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ نوراللغات میں اداریہ ایڈیٹوریل اخبار کے ایڈیٹر کا مضمون (۱) درج ہے جبکہ فرہنگ عامرہ میں اخبار کا اپنا خاص مضمون (۲) فرہنگ عامرہ میں یہ بھی درج ہے کہ یہ لفظ عربی کا ہے اور مذکر ہے

اردو لغات کے ان اندراجات نے اداریئے کی اصطلاحی تعریف کے دروازے اخباری صحافت کی طرف وا کر دیے ہیں اداریہ (Editorial) بنیادی طور پر جرنلزم (Journalism) کی اصطلاح ہے پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات میں "کارل جی ملر کے حوالے سے اداریہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اداریہ اس مضمون کو کہتے ہیں جو کسی ہنگامی موضوع پر لکھا گیا ہو اور اس میں قاری کی سوچ ایسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہو جو مضمون نگار کے خیال میں صحیح راہ ہے۔ اداریہ نویس، قاری کو ایسے نقطۂ نظر سے متفق کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے قاری قائل ہو جائے اور موافق ردِ عمل ظاہر کرے۔ اداریہ نویس مختلف ترغیبی طریقوں سے کام لے کر قاری کے جذبات و احساسات کو جائز طور پر متاثر کرتا ہے۔"(۳)

صحافت کی کتابوں میں اداریہ نگاری یا ایڈیٹوریل کی جو تعریفیں ملتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے ایڈیٹر اپنے خیالات و افکار کا اظہار ادب و فکر و فن اور رفتار زمانہ کے حوالہ سے کرتا ہے یہ ایک سائنٹیفک عمل ہے، سچائیاں اور اخلاص جس کی بنیادی قدریں ہیں۔ کامیاب اداریہ ایک ایسے مدیر کے خیالات کا اظہار ہے جو غیر معمولی قابلیت اور ہمہ گیر معلومات

رکھتا ہے اور اپنی تحریروں کو ضابطہ اخلاق کے اندر رکھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ماضی اور حال پر اس کی نگاہیں ہوں اور مستقبل کے لیے اس کے پاس مستند فکر و فلسفہ ہو اس کی تحریر دلنشیں ہو۔ وہ چھوٹے بڑے عصری حالات، علمی واقعات اور ادبی تحریکات کو منطقی استدلال کے ساتھ پیش کر سکے چونکہ یہ خوبیاں ایک ایڈیٹر یا مدیر میں فرض کی جاتی ہیں اس لیے ایڈیٹوریل یا اداریہ نویسی اسی کے نام سے منسوب ہے۔ اخبار یا رسالے کے معاملات کا سب سے بڑا ذمہ دار یا جواب دہ ہونے کی وجہ سے یہ اس کا حق بھی ہے اداریے کے ایک ایک لفظ کی ذمہ داری براہ راست اسی پر عائد ہوتی ہے اسی لیے ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

> "یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ادبی جرائد، ادبی صحافت میں کوئی بھرپور کردار ادا نہیں کرتے، جن میں مدیر، اپنے تحفظات اور اپنے ادبی مسلک کے ساتھ ہر جگہ، ہر صفحہ پر اپنی موجودگی کا احساس نہیں دلاتا۔ ادارتی موجودگی کا یہی عمل ہر جریدے کے کردار کا تعین کرتا ہے۔ رسالے کو غیر ادبی رویوں سے ممتاز کرتا ہے اور ایک رسالے کو اپنے عہد کے ادبی مزاج، صورت حال اور رفتار کا آئینہ بناتا ہے۔" (۴)

ادبی اداریہ نویسی کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ رسائل نے جہاں اپنی پیشکش اور مواد کی ترتیب کے انداز کو تبدیل کیا ہے وہیں ادب کو موضوع بناتے ہوئے اپنے تناظرات کو سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے ادب پر اثر انداز ہونے والے عوامل کی تلاش کا عمل بھی آہستہ آہستہ رسائل اور اداریوں کا موضوع بنتا ہے اور مدیر اپنی ادبی اور سماجی فکریات میں ادب کی ادبیت کو بھی موضوع بناتا ہے اب مدیر اپنے اداریوں میں ادب کی جمالیات کی تلاش اور رسالے کے اندر ادب کی تخلیقی پیمائش کرتے دیکھا جاسکتا ہے قارئین اور ناظرین کی فکری تربیت اور علمی ذوق کی نشوونما میں اداریوں کا اہم رول ہوتا ہے لیکن ہمارا معاشرہ مختلف عنوانات سے جب زیادہ روشن خیال اور خوش حال ہوگا تو یہ صورت حال بدلے گی اور حالات کا محاسبہ زیادہ دیانت داری اور غیر جانب داری سے کیا جاسکے گا۔ ادبی اداریہ نویسی کی تاریخ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مدیر کی عجب و غرور، انا کی ظاہری و باطنی شکلیں، کسی مسلک ادب کی غلط تعبیریں، عصری حالات و واقعات کی مسخ شدہ تصویریں، مایوسیاں اور قنوطیت ایک شائستہ اور مثبت اداریہ نگاری کے اجزائے ترکیبی نہیں ہیں۔ ایسے رسائل اور ان کے مدیر معاشرے میں اپنی ساکھ قائم نہیں کر پاتے کیوں کہ رسالے کی شناخت میں مدیر کا اہم کردار ہوتا ہے۔ رسالے میں مختلف النوع علوم و فنون اور مختلف اور متضاد عنوانات کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ رسالے کی ترتیب اور انتخاب مضامین میں مدیر کا ہی کلیدی کردار ہوتا ہے اور اسی سے رسالہ کی شناخت قائم ہوتی ہے۔

نورالہدی لکھتے ہیں کہ

> "اداریہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ سوچ کر لکھے کہ اس کا قاری اور سامع اس سے زیادہ باشعور اور باعلم ہے۔ اداریہ کا مقام صحیفہ ادب سے اونچا ہے رسالے کا معیار مدیر کے معیار علم اور ذوق ادب پر منحصر ہے۔ رسالے کے مشمولات سے مدیر کے علمی مرتبے کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس کا عکس اداریوں میں نمایاں ہوتا ہے۔"(۵)

رسائل فکری تحرک کا باعث بنتے ہیں جب رسائل کا کلچر انگریزی عہد میں آیا تو ادب کو سماجی حقیقت کے طور پر دیکھا جانے لگا اور رسالوں کے مدیر ادبی رویوں کی پاسبانی اور نگہبانی کرنے لگے۔ چونکہ رسائل و جرائد ادب میں اٹھنے والے سوالات کو آگے بڑھاتے ہیں اور نئے خیالات کو متعارف کرانے کا باعث بھی بنتے ہیں اس لیے رسائل فکری تحرک کا باعث بنتے ہیں اور اس سے دانش

وری کو فروغ ملتا ہے۔ سماج کے ذہنی نظام کی تشکیل و تعمیر ہوتی ہے اور فکری انقلاب کی راہیں ہموار ہوتی ہیں لیکن ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی رسالے کا مدیر ادبی مباحث سے تحرک پیدا کرے اور اپنے پڑھنے والوں کی فکری راہنمائی کرے۔

تاریخی اعتبار سے اردو میں ادبی اداریہ نویسی کے ابتدائی نقوش سر سید احمد خان کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی مجلے "تہذیب الاخلاق" (1870) میں موجود ہیں سر سید نے سپیکٹیٹر اور ٹیٹلر سے متاثر ہو کر جو طرز تحریر اختیار کیا وہ عام فہم اور سیدھا سادہ تھا وہ تہذیب الاخلاق اور خاص طور پر اپنے اداراتی مضامین میں ادب اور صحافت کے فاصلوں کو سمیٹے نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد اردو ادب میں اداریہ نویسی کے یہ ابتدائی رجحانات مختلف ادوار میں ارتقائی مدارج طے کرتے رہے ہیں۔ یوں تو اداریہ نویسی کی ابتدا سر سید کے تہذیب الاخلاق سے پہلے ہو چکی تھی لیکن اردو صحافت کی تاریخ میں تہذیب الاخلاق کو اس لیے بھی اہم مقام دیا جائے گا کہ پہلی بار خالص مقصدی صحافت کا آغاز اس پرچے سے ہوتا ہے، ان کے ان اداریوں نے انگریزوں کو بھی اسلام کی روشن خیالی اور وسعت النظری کا قائل کرنے میں مدد دی۔ انہوں نے اسلام مخالف پروپیگنڈا کی نفی کے لیے بھی تہذیب الاخلاق کے اداریوں کو استعمال کیا۔ سر سید نے صحافت کو ایک پیشے کے طور پر شروع نہیں کیا تھا بلکہ اس سے وہ ایک اہم کام لینا چاہتے تھے اور وہ اہم کام مسلمانوں کو جدید رجحانات کی طرف مائل کرنا اور انہیں جاہلیت اور پسماندگی کے اندھیروں سے اٹھا کر تہذیب و ترقی کے اجالے تک پہنچانا تھا۔ اردو کی ادبی صحافت کا باقاعدہ آغاز مخزن سے ہوتا ہے مخزن کلی طور پر ایک علمی جریدہ تھا اس کی اپنی وضع داری تھی اس رسالہ میں اداریہ نگاری کی جدید روش نہیں تھی اس کے لیے کوئی عنوان مقرر نہیں تھا۔ اس وقت اداریہ اپنے تشکیلی دور سے گزر رہا تھا مخزن میں مدیر صرف اپنے لکھنے والوں کی تعریف اور دلداری کرتا نظر آتا ہے اور ادب اور ادبی موضوعات کی تنقید اور سماجی فکریات کو موضوع بناتا نظر نہیں آتا۔ مدیر مخزن کو اپنے قلم کاروں سے ذہنی و جذباتی وابستگی تھی۔ اس دور کا شائد ہی کوئی قلم کار ہو جس سے شیخ عبد القادر کے ذاتی مراسم نہ ہوں مخزن اپریل ۱۹۰۲ کے شمارے میں تحسین و نفرین کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> "ہمارے مکرم مرزا سلطان احمد ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جن کا فلسفیانہ سلسلہ مضامین بعنوان "تبادلہ خیالات" اوراق مخزن میں شائع ہو رہا ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے مندرجہ ذیل مضمون تحسین و نفرین میں جو غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ ہمارے اہل وطن کی طبعیتوں کے ایک انتہائی نقصان دہ ضعف کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ امید ہے ابنائے وطن اس پر غور کریں گے۔" (۶)

مخزن کے دوسرے مدیران مثلاً شیخ محمد اکرام، تاجور نجیب آبادی، راشد الخیری اور حضرت طور نے بھی اس روش کو قائم رکھا مخزن اپنے حالات کے تابع ہو کر اپنی فکری تشکیل کرتا نظر آتا ہے۔ لیکن مخزن جدید میں اداریوں کا وہی انداز سامنے آیا جو نگار اور نیرنگ خیال نے اپنایا تھا۔ مخزن میں مدیر مخزن نے ہمیشہ اپنے قلمی معاونین کی حسن ایثار سے حوصلہ افزائی کی اور اپنی ذات کو کبھی نمایاں نہ کیا جیسا کہ جدید دور کے مدیران کرتے نظر آتے ہیں اس کے ساتھ ہی مخزن کے اداریوں سے ایک اور حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ہر رسالے کا مدیر ہر زمانے میں اپنے قارئین کی کم توجہی اور خریداروں کی کمی جیسے مسائل کا رونا روتے رہتے ہیں یہ مسائل بہت اہم ہیں اگر خریدار نہیں ہوں گے تو رسائل اپنا وجود کیسے قائم رکھیں گے آج بھی اکثر رسائل یہ رونا ماتمی انداز میں روتے ہیں مگر حیرت ہوتی ہے کہ مخزن کے اوراق اس ماتمی انداز فکر سے بالکل خالی ہیں حالانکہ مخزن کو بھی یہ مسائل درپیش تھے۔

مخزن کا ہم عصر رسالہ "زمانہ" ہے زمانہ ۱۹۰۳ میں جاری ہوا۔ یہ رسالہ مخزن کی ہمسری میں نکالا گیا تھا۔ ان دونوں رسائل میں اشتراک فکر و عمل تھا۔ اس رسالہ کے بانی اور مدیر پنڈت شیو برت ورما تھے جو اپنے لیے مرتب کا لفظ استعمال کرتے تھے

اس کے بعد پنڈت دیانرائن نگم اس کے مدیر بنے ۱۹۰۳ سے ۱۹۴۸ تک کے بہت سے شماروں کی ورق گردانی سے کہیں بھی منافرت اور مناقشت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ اس کے اداریوں میں کہیں بھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا رجحان نہیں یہاں تک کہ اس کے اداریوں میں اداریہ، ملاحظات یا شذرات جیسا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اس کے اداریوں کے موضوعات ملکی اور بین الاقوامی حالات ،راجوں، مہاراجوں کی باتیں، نوابوں اور امیروں کی عطا اور ایثار کی داستانیں اور وفیات ہوتے، لیکن اس رسالہ کی اہم خوبی یہ تھی کہ اپنے پچاس سالہ دور میں اس رسالے نے کبھی بھی کسی ہم عصر مدیر یا کسی لکھنے والے کی دل آزاری نہیں کی نہ اس پر طنز کیا جہاں کتابوں یا فن پر تبصرے ہوتے تو نہایت مہذب اور دلنشیں انداز میں ۔ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ زمانہ میں اداریہ کا کوئی عنوان نہیں ہوتا تھا جولائی ۱۹۲۱ کے اداریے میں "علمی خبریں" کے عنوان سے لکھا ہے:

> "انجمن ترقی اردو" کا رسالہ "اردو" محاسن ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے اردو کا بہترین رسالہ ہے اس کے مضامین اردو ادب کے لیے باعث فخر ہیں اور ہم ایسے اعلی تنقیدی مضامین کی اشاعت پر اس کے لائق ایڈیٹر مولوی عبد الحق صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں۔"(۷)

مولانا عبد الحلیم شرر کا رسالہ "دلگداز" سولہ چھوٹے صفحات پر مشتمل قدیم اسلامی روایات کا حامل تھا اس کی اکثر تحریریں خود مولانا کی ہوتیں، ان کے قارئین ان سے مخصوص رومانی اسلوب میں لکھنے کی فرمائش کرتے لیکن شرر کو احساس تھا کہ اب زمانے کا مذاق بدل چکا ہے دسمبر ۱۹۱۰ کے اداریئے میں لکھتے ہیں:

> "اب زمانہ میں خالص لفاظی اور ہوا میں خیال کے قلعہ بنانے کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا۔" (۸)

اس دور میں اردو نثر کے اسلوب میں نمایاں تبدیلیاں آرہی تھیں جن کا احساس شرر کو تھا ۱۹۲۰ کے بعد سے اردو زبان کے نثری ادب میں فکر اور اسلوب کی سطح پر بڑا انقلاب آیا ۱۹۱۵ تک نثر کی تراش خراش میں حالی، شبلی، اقبال، سجاد حیدر، عبد القادر ،حسرت موہانی وغیرہ نے نمایاں حصہ لیا۔ لیکن ۱۹۲۰ کے بعد جدید نثر لکھنے والوں کی ایک نئی کھیپ سامنے آئی جن میں نیاز فتح پوری ،ابو الکلام آزاد، مجنوں گھورکھ پوری، اختر شیرانی، پطرس بخاری اور مہدی آفادی قابل ذکر ہیں۔ زبان کی اس ترقی کا اثر رسائل کے اداریوں پر بھی پڑا نگار ،ہمایوں اور نیرنگ خیال نے اداریہ نگاری کی پرانی روایت سے انحراف کیا۔ "صلائے عام" اپنے دور کا ایک معتبر رسالہ تھا اسے مولوی ناصر علی نے ۱۹۰۸ میں جاری کیا تھا مولوی ناصر علی ایک ریٹائرڈ سرکاری افسر تھے اس طرح صلائے عام کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل تھی لیکن اس کے مشمولات ہم عصر رسائل کے مقابلے میں کم درجے کے ہوتے تھے اور موضوعات میں تنوع نہیں تھا اس میں عرض، دیباچہ اور صلائے عام کے نام سے مدیر لکھا کرتا تھا لیکن صلائے عام کی یہ خوبی تھی کہ اس کے اداریئے دوسرے رسائل کے مقابلے میں کافی پختہ ہوتے تھے اور صاحب مدیر اپنی علمی مباحث میں اپنی بے لاگ رائے دینے اور معاملات ادب میں کسی جانب داری، کینہ پروری اور گروہ بندی کو روا نہیں سمجھتے تھے اور یہی خوبیاں جدید اداریہ نویسی کی بنیاد ہیں صلائے عام میں اس وقت کے تناظرات کو پہچاننے میں دقت پیش نہیں آتی۔ اداریوں میں تنقیدی نقطہ نظر کی ابتدا صلائے عام کے اداریوں میں بہت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ میر ناصر علی کا تنقیدی اور فکری سرمایہ ان کے اداریوں میں بہت واضح ہے لیکن افسوس ہے کہ میر ناصر علی کے علمی سرمائے کی طرف اب تک توجہ نہیں دی گئی ۔ میر ناصر علی کا ہر اداریہ اور اس کے موضوعات شاندار ہیں اور ان کے تجزیے کا انداز جدید دور کے مدیران کو بھی حاصل نہیں، مثلاً ۱۹۲۶ کے ایک اداریئے بعنوان صلائے عام میں لکھا ہے:

"تبصرہ اگر ریویو کا مترادف ہے تو سب سے زیادہ میں تبصرہ یعنی ریویو نگاری میں ناقص ہوں، نہ یہ مجھ سے بن پڑتا ہے۔ ریویو کے لیے ضرور ہے کہ اس کی تحقیق و تکمیل میں کوئی دقیقہ نہ چھوٹا ہو، اس علم و فن کی اگلی اور پچھلی کتابیں دیکھ لی ہوں بلکہ مصنف سے زیادہ ریونگار اس علم و فن کا اہل ہو، اور اس کے ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ معمولی واہ واہ اور بلا وجہ عیب بینی دونوں بے کار ہیں۔ آج کل ریویو سے زیادہ تر غرض یہ سمجھی جاتی ہے کہ دو چار خریدار پیدا ہو جائیں یہ ریویو نگاری نہیں دلالی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رسالے بہت اچھے نکل رہے ہیں خاص کر ہمایوں، شمع و پیمانہ، نگار کہ ان رسالوں کا مجھے انتظار رہتا ہے۔ جب سے رسالوں کا مشغلہ جاری ہوا اب آنکھیں کھلیں کہ اردو میں بہت جان ہے۔ اردو کی زندگی کا مدار اب تک زیادہ تر شاعری پر رہا اب رسالوں پر ہے جو نظم و نثر دونوں کی داد دے رہے ہیں. اردو کی ترقی کے لیے دوڑ دھوپ اور کوششوں کا جو انجام آج دیکھنے میں آتا ہے وہی سو سال قبل بھی تھا ممکن ہے اس منفی انداز فکر کا محرک وہ خیال ہو کہ کوئی شخص اپنے حال سے مطمئن اور آسودہ نہیں ہوتا۔"(۹)

یہ اقتباس اگرچہ طویل ہے مگر اس سے اس دور کے تناظرات کو بہت اچھی طرح سے سمجھا جاسکتا ہے۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں نگار، نیرنگ خیال اور ہمایوں اہم رسائل ہیں۔ ہمایوں کو ۱۹۲۲ میں میاں بشیر احمد نے جاری کیا۔ اس رسالہ میں ایڈیٹوریل کے کئی عنوانات ہوتے تھے بزم ہمایوں، جہاں نما اور ہم اور آپ کے تحت اداریئے لکھے جاتے تھے مخزن میں ہر تحریر کے ساتھ قاری کی دلداری کی جاتی تھی ہمایوں میں یہ رسم سالانہ ہوتی تھی ہم اور آپ میں براہ راست گفتگو ہوتی تھی اس کے سرورق کے آخری صفحے پر لکھا ہوتا تھا ہمایوں کی ضخامت کم از کم بہتر صفحے ماہوار اور ۸۶۴ صفحے سالانہ ہوتی ہے ہمایوں دسمبر ۱۹۲۸ میں "بزم ہمایوں" کے نام سے مدیر لکھتے ہیں:

" کون گمان کرتا ہے کہ انسانیت بام ترقی پر چڑھ چڑھ کر گری ہے اور جہاں پہلے تھی وہیں ہے۔ کون اس احسان فراموشی کا اظہار کر سکتا ہے؟ جو کرے لازم ہے کہ نوع انسان اپنی اور اس کی بدقسمتی پر آٹھ آٹھ آنسو روئے! یہ پھول جو ہم نے علمیت کے ہاتھوں پائے ہیں کیا انہی کے بیجوں سے ہر انسان نے اپنا اپنا اک جدا باغ نہیں بنا لیا۔"(۱۰)

نیرنگ خیال کے مدیر حکیم محمد یوسف حسن تھے یہ لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ اداریہ نویسی کا آغاز جو دلگداز اور مخزن سے ہوا تھا اس کی تکمیل نگار اور نیرنگ خیال میں ہوئی مگر اس کے اداریوں میں معاصرانہ چشمک اور صحافتی رقابت کی تیزی نظر آتی ہے یہ انداز حکیم محمد یوسف حسن کے ہر اداریئے میں موجود رہا۔ یہ معاصرانہ چشمک اور رقابت اردو کے بیشتر رسائل کا طرہ امتیاز رہی اور اب بھی ہے یہ کوئی ایسی بری چیز نہیں لیکن یہ شائستہ اور مثبت اداریہ نویسی کے اجزائے ترکیبی نہیں ہیں اور نہ ہی اس طرح کے رویے کو جریدے کے مزاج کا حصہ بننا چاہیے اس رسالہ میں شذرات کے عنوان سے اداریے لکھے جاتے تھے حکیم محمد یوسف حسن لکھتے ہیں:

"ہم نے "سہیلی" کے نوٹ کے جواب میں کچھ فقرے ہجو ملیح کے طور پر درج کیے تھے ان کے متعلق " نو بہار" لکھتا ہے کہ ہم نے " سہیلی" سے مرعوب ہو کر خلاف واقعہ

رائے کا اظہار فرمایا ہے" کیا ستم ہے کہ تمام عورتیں کم از کم آجکل کی عورتیں ہر قسم کی ظاہری آرائش سے سخت متنفر ہیں اور سب۔۔ مگر " نو بہار" ہیں کہ ہم پر اعتراض کیے جاتے ہیں ادھر "نگار" سے خوف کھا کر نہایت ذو معنی فقروں میں پناہ لیتا ہے۔" (۱۱)

ا ردو میں صحافت کی عمر کوئی دو سو برس کے عرصے پر محیط ہے۔ مگر جہاں تک خواتین کی صحافت کا تعلق ہے تو آزادی تک اس میدان میں چند ہی ایسے رسالے شائع ہوتے تھے جن میں خواتین قلم کاروں کی تحریریں شائع ہوا کرتی تھیں۔ دراصل اس کی وجہ اس زمانے کی سماجی اور مذہبی بندشیں تھیں۔ آزادی سے قبل جو چند رسالے شائع ہوا کرتے تھے ان میں رسالہ عصمت کا نام سر فہرست ہے۔ اس رسالے کو مصور غم علامہ راشد الخیری نے 1908 میں جاری کیا۔ مولانا نے اس رسالے کی ادارت بھی کی۔ بعد میں معروف ادیبہ آمنہ نازلی نے بھی ادارت کی ذمے داری سنبھالی۔ ۱۹۸۰ تک یہ رسالہ پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا رہا اس رسالے کے اداریئے خواتین اور مردوں میں فکری اور عملی تحرک کا باعث بنے جو کہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ ۱۹۱۵ کے ایک اداریئے میں مدیر لکھتے ہیں:

"ہندوستان" اور "پرکاش" لاہور کے دو اخبار لکھتے ہیں کہ تعلیم یافتہ بلکہ سند حاصل کی ہوئی لڑکیاں بجائے راحت کے آفت ہیں۔۔ ہماری ہندو بہنیں بظاہر تعلیم میں بہت کچھ ترقی کر رہی ہیں مگر یہ نقص خواہ ہندو لڑکی میں ہو یا مسلمان میں ضرور قابل افسوس ہے لیکن اس کی ذمہ دار تعلیم نہیں بلکہ طریق تعلیم ہے۔"(۱۲)

بیسویں صدی کی ابتدائی دہایوں کے ان رسائل کے اداریوں کی جزوی تفصیل سے مختلف رجحانات سامنے آئے ہیں تیسری دہائی میں نگار، نیرنگ خیال اور ہمایوں ہیں ۔ نگار سے قبل اداریہ نویسی کے معاملے میں سب کے سب رسالے جمود کا شکار تھے یہ جمود حرکت کے بعد کا نہیں حرکیاتی عمل سے پہلے کا تھا اس جمود کا قدرتی نتیجہ نگار اور اس کے ہم عصر رسالوں میں ظاہر ہوا۔ قبل کے اداریے بحث طلب امور تنقید و تبصرہ، مذاکرہ و مناظرہ، اثبات و نفی اور لسانی اور علمی معاملات میں دخل اندازی سے پرہیز کرتے تھے ۔ تعریف اور توصیف اور دلداری کا روایتی انداز تھا۔ اداریہ مشمولات کے تعارف تک محدود ہوتا تھا۔ اداریئے میں مدیر کا اپنا نقطہ نظر سامنے نہیں آتا تھا۔ اکثر رسائل میں مدیر کی حیثیت صرف مرتب کی ہوتی تھی اور پرچے کے سرورق پر صرف مدیر کا نام لکھا ہوتا تھا ۔ وہ اداریہ میں تنقیدات اور زبان و ادب کے معاملے میں تعمیری تنقید سے بھی اجتناب کرتے تھے جس سے زبان و ادب میں ترقی کی راہیں مسدود ہوئیں۔ خوب اور ناخوب کا فرق جاتا رہا۔ لیکن نگار کے اداریوں نے اس طلسم ناروا کو توڑا۔ علمی معاملات میں کسی بھی سمجھوتہ سے گریز کیا۔ بحث طلب اور مذاکراتی معاملات پر اپنی مکمل رائے دی اور اس طرح سے ادب میں یقین و اعتماد کی بہت سی راہیں کھلیں۔ پرانا جمود ٹوٹا اور اداریہ نویسی ایک فن کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ ملاحظات کے اوراق ایسی تحریروں سے بھرے پڑے ہیں نگار کے اداریے میں علم و ادب کا خزانہ موجود ہے بعض اداریے تو اتنے جامع اور مکمل ہیں کہ مستند مضمون اور قابل قدر مقالے کا درجہ رکھتے ہیں نگار میں اداریے "ملاحظات" کے عنوان سے لکھے جاتے تھے نیاز فتح پوری مذہبی، سیاسی، تاریخی، تمدنی، ملکی اور بین الاقوامی امور پر کھل کر بحث کرتے تھے۔ نیاز کو اپنی سوچ پر اور اس کے اظہار پر مکمل قدرت حاصل تھی اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں اتمام حجت کے انداز پائے جاتے ہیں اگست ۱۹۲۶ کے ملاحظات میں لکھتے ہیں:

"جناب قادری صاحب نے غالب کی ذہنیت پر نہایت تکمیل سے روشنی ڈالی ہے اس میں شک نہیں کہ بہت سے کلام غالب جذبہ رشک سے لبریز نظر آتے ہیں لیکن میرے

نزدیک قادری صاحب نے حقیقی سطح سے کچھ نیچے اتر کر تجزیہ کیا ہے اگر وہ زرا اور بلندی نظر سے کام لیتے تو ان کو معلوم ہوتا غالب کی حقیقی ذہنیت رشک نہیں بلکہ خود داری تھی جس کے ماتحت رشک کا جاری ہونا قدرتی نتیجہ تھا مجھے مسرت ہے کہ قادری صاحب نے "روح تنقید "لکھنے کے بعد تنقید ہی کو اپنے فکر و خیال کا موضوع قرار دیا ہے اور اگر وہ اس سے نہ ہٹے تو یقیناً اردو لٹریچر کو ان کے تنقیدی مقالات سے بہت مدد ملے گی۔"(۱۳)

نگار کا ہر شمارہ دستخط کی حد تک نیاز فتح پوری کی چھاپ لیے ہوتا تھا۔ ان کی پسند نہ پسند، ان کے ادبی تحفظات، ان کی آزاد خیالی، ان کی عقلیت پسندی، ان کا تنقیدی مزاج، ان کے تعصبات، ان کا علمی و ادبی موقف ساری چیزیں نگار کے ہر شمارے سے جھلکتی تھیں پھر خود نیاز کے اپنے اداریئے میں علمی و ادبی مباحث نے نصف صدی تک قوم کی فکری راہنمائی کی۔ نگار نے ادب کو موضوع بناتے ہوئے اپنے تناظرات کو سمجھنے کی کوشش کی اور اپنے حالات کے تابع ہو کر اپنی فکری تشکیل کی اور یوں علمی، ادبی اور فکری تحرک کا باعث بنا۔ نگار کے مستقبل شناس مدیر نے روح عصر کو سمجھا اور اپنے آئینۂ ادراک میں قوم کے مستقبل کو روشن کیا۔

نگار کو ہم عصر ادبی رسائل میں منفرد مقام عطا کرنے والی شخصیت نگار کے مدیر نیاز فتح پوری کی تھی۔ مدیر نگار کے تصورات اور نظریات کا افق بہت پھیلا ہوا تھا۔ نگار کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے کہ اس کے مدیر نے رسالے کو اپنے عہد کے مزاج کا ترجمان بنا دیا۔ شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ادبی رسائل و جرائد جن کے مدیر اپنے واضح موقف اور اپنے ادبی مسلک کا احساس ہر جگہ اور ہر صفحے پر نہیں کراتے ادب میں کوئی بھرپور کردار ادا نہیں کرتے، ادارتی موجودگی کا یہی عمل ہر جریدے کے کردار کا تعین کرتا ہے اور مدیر کا یہی عمل ایک رسالے کو غیر ادبی رویوں سے بھی ممتاز کرتا ہے اور اس طرح رسالے کو اپنے عہد کے ادبی مزاج کا عکاس بنا دیتا ہے۔

نگار کے علاوہ اس دور کے دوسرے رسائل میں بھی اداریئے ہوتے تھے لیکن نگار کے اداریوں کا جواب نہیں۔ یہ ادب پارہ تو ہوتا ہی تھا ساتھ ہی مذہبی، سیاسی، تاریخی، تمدنی، ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر نظر ڈالنے کا ایک بہترین پلیٹ فارم بھی ہوتا تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ادبی پرچوں میں شاید ہی کوئی دوسرا رسالہ ہو جس میں اداریے کے تحت دنیا بھر کے علوم و فنون، مذہب، معاشرت اور بدلتی ہوئی اقدار اور رجحانات کا اتنے منطقی اور استدلالی انداز میں اتنی وسیع النظری سے تجزیہ کیا جاتا ہو۔ نیاز فتح پوری نے بطور مدیر اسے ایسی وسعت عطا کی کہ "نگار" کے ملاحظات سے اس دور کی سیاسی، سماجی، ادبی اور مذہبی تاریخ مرتب پا سکتی ہے۔ ایک اداریئے میں علمی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"گزشتہ ماہ کے رسالہ میں جناب آرگس کے مضمون نے جن میں ابن یمین اور حافظ شیرازی کی شاعری کے متعلق گفتگو کی گئی ہے بعض حلقوں میں برہمی پیدا کر دی ہے، ایسا اختلاف جس کی بنیاد صرف تحقیق حق پر ہو یقیناً نہایت مفید چیز ہے لیکن کم ہیں جن کا اختلاف تنقید، صحیح ہوتا ہے اور زیادہ ہیں وہ جو صرف اپنے معتقدات کے نقطہ نظر سے ہر چیز کو دیکھنا پسند کرتے ہیں چنانچہ اس مسئلہ میں بھی اکثر حضرات کی "چین پیشانی" کا باعث محض وہ جذبہ صنم پرستی ہے جو حافظ نہیں بلکہ حافظ کے بت سے قائم ہے۔ اور بت بھی کونسا؟ دنیائے تصوف کا "عالم ہمہ اوست" اور اس کارگاہ ظن و تاویل کا جہاں

> مے و بادہ، کے معنی آب کوثر و سلسبیل، اور "ساقی" کے معنی مرشد کامل کے لیے جاتے ہیں حالانکہ غریب بے خبر ہیں اس حقیقت سے کہ اگر حافظ کی رندانہ زبان، بادہ پرستانہ غزل خوانی، اس کی رامشگرانہ شاعری اور مذہب سے یکسر بے نیاز ذوق سخن کو اس کے حقیقی اور صحیح رنگ میں دیکھا جائے تو وہ بت سے زیادہ ایک غیر فانی "خدا" ہے عالم کیف و سرور اور دنیائے نغمہ و رباب کا۔" (۱۴)

نگار سے قبل جتنے رسائل کے حوالے پیش کیے گئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں مشمولات رسالہ کا تعارف اور فنکار کا تعارف مرکزی حیثیت رکھتا تھا لیکن نگار کی خاص بات یہ تھی کہ اس نے اداریوں کے ادبی تقاضوں کو پورا کیا، مشمولات کا جائزہ تنقیدی پس منظر میں لیا اور اداریوں کو ادب کا ایک حصہ تصور کیا۔ نگار کی اس روایت کی پیروی اس کے بعد آنے والے رسائل نے کی۔ نگار کا ہر اداریہ ادبی نقطہ نگاہ سے وقیع ہوتا تھا لیکن نگار کے اداریئے مضامین مشمولہ کے حوالے سے بھی نیاز فتح پوری کی گہری تنقیدی بصیرت اور اس کے مزاج و مذاق کے عکاس ہیں۔ مثلاً ایک اداریے میں مشمولات کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "نظامی گنجوی کے دیوان کے متعلق جناب آسی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے خود میں نے بھی یہ دیوان دیکھا ہے لیکن میں آسی صاحب سے اس مسئلہ میں متفق نہیں ہوں کہ نظامی کی غزلیں بھی وہی مرتبہ رکھتی ہیں جو ان کی مثنوی کا ہے۔"(۱۵)

نگار کے اداریوں سے ان کی وسعت اور جامعیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے نگار سے قبل اس طرح کے اداریئے کم ہی ہوتے تھے تحریر چاہے جس عنوان پر ہو ہر تخلیق پر مدیر کے علم و فضل کی چھاپ ہوتی ہے۔ علم ایک ایسا حسن ہے جو ہر جگہ ہر رنگ میں نمایاں ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مدیر جس رتبے کا ہوتا ہے اس کا رسالہ بھی اسی پائے کا ہوتا ہے۔ نیاز وسیع المطالعہ شخص تھے ان کے مطالعہ میں آئی معلومات تجزیاتی تشکیل کے بعد قارئین کے لیے حیرت اور استعجاب کا باعث بن جاتیں اور یہ تجسس سوال کو جنم دیتا اور قارئین نگار کے اداریوں کی مدد سے نامعلوم سے معلوم کا سفر طے کرتے اور یہ سفر روشنی کا سفر تھا، علم اور آگہی کا سفر جس کی منزل خرد افروزی اور روشن خیالی تھی۔

رسالہ "نگار" کو مخزن کی علمی و ادبی کاوشوں کا ثمر سمجھنا چاہیے اس نے اردو زبان و ادب اور صحافت میں بڑا اجتہاد پیدا کیا ۔ اداریہ نویسی کا جو سفر مخزن اور دلگداز سے شروع ہوا اس کی تکمیل نگار اور نیرنگ خیال میں ہوئی مگر اس دور کے نیرنگ خیال کے شذرات میں معاصرانہ چشمک اور صحافیانہ رقابت کی تیزی نظر آتی ہے اگرچہ ان میں علم و ادب کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر رسالے کی ترجیحات، انداز سخن اور مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں ان اداریوں سے جہاں علم و ادب کی بتدریج ترقی کا اندازہ ہوتا ہے وہاں مختلف اصناف ادب کے مختلف رجحانات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے وہیں مدیر ان کے علمی مرتبے اور ادب اور زندگی کے بارے میں ان کے فکر و فلسفے کا محاسبہ بھی ہوتا ہے مدیر کی عالمانہ بصیرت اور دانش ورانہ وژن کی اہمیت ہوتی ہے یہی وژن ایک رسالے کو شناخت عطا کرتا ہے جس سے ایک رسالہ روایت بن جاتا ہے اور دوسرے اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ نگار بھی ایک روایت بن گیا اس طرح نگار کے اداریوں نے ایک تحریک کی شکل میں اپنے عہد کے نوجوانوں کے ذہن کی ساخت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

قیام پاکستان سے قبل اداریہ ذاتی رائے اور تنقید تک محدود تھا تحریک پاکستان کے دوران یہ پاکستان کے حق اور مخالفت میں بدل گیا دراصل یہی وہ وقت تھا جب اداریہ کی ساخت میں سیاست اور اجتماعیت کے عناصر شامل ہونے لگے ۔ اداریوں نے انگریزی ساخت کا اثر قبول کیا زبان کو سادہ اور عام فہم بنایا گیا۔ دلائل اور موضوع کے پس منظر کو خاص مواقع پر تحریر کا حصہ بنایا گیا۔

اور روشن خیال فکر کو فہم کا حصہ بنایا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد سے اردو میں رسائل کی پیشکش کا انداز بھی بدلا ہے اور مواد کی ترجیحات میں بھی واضح فرق آیا ہے اب جب کہ ادب ایک سماجی عمل قرار دیا جا چکا ہے اب مدیر اپنی ادبی اور سماجی فکریات میں ادب کی ادبیت اور تخلیقی جمالیات کو بھی موضوع بناتا نظر آتا ہے ۔ نگار کے بعد منظر عام پر آنے والے اردو کے نمائندہ ادبی رسائل مثلاً ادب لطیف، سویرا، نقوش، افکار، فنون، وغیرہ نے ادب کو ایک سماجی عمل کے طور پر برتا اور اپنے اداریوں سے فکری اور سماجی تحرک کا باعث بنے۔ وطن عزیز میں بار بار آتے جاتے مارشل لا اور فوجی تسلط نے جب آزادی اظہار کو بندشوں میں جکڑنا چاہا تو یہاں ماہناموں کی بجائے سہ ماہی، شش ماہی اور سالانہ کتابی سلسلوں کا آغاز ہوا۔ ان کتابی سلسلوں میں خاص طور پر مکالمہ جو بیسویں صدی کے آخری سالوں میں منظر عام پر آیا۔ اس کے مدیر مبین مرزا کے اداریئے نہایت عالمانہ اور ادبی ہوتے ہیں۔ دنیازاد کو آصف فرخی نے ۲۰۰۸ سے نکالنا شروع کیا اس کے اداریے بھی علمی اور فلسفیانہ ہوتے ہیں مگر یکم جون ۲۰۲۰ کو آصف فرخی کے انتقال کے بعد اس کی پہلے والی شان نہیں ہے۔ تسطیر نے 2012 سے اپنے آپ کو کتابی شکل دے دی، اس رسالے کا اداریہ، اداریہ نویسی کے مقاصد کا ترجمان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب ہمہ وقت ایک معاشری طاقت کی حیثیت رکھتا ہے اور کوئی سا بھی دور ایسا نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے جب اس کو ایک عمرانی قوت کی حیثیت حاصل نہ ہو اس لیے ادبی مباحث فکری تحرک کا باعث بنتے ہیں کیوں کہ ایسے مباحث جو صرف خالی صفحوں کا پیٹ بھریں بے کار ہیں ۔ بہ اعتبار مجموعی اداریہ نویسی جہاں ایک بہت اہم فن ہے صحافتی ادب کی تاریخ میں اس کی انفرادیت اور افادیت ہمیشہ قائم رہے گی۔

حوالہ جات

۱۔ نورالحسن نیر، نور اللغات جلد اول (دہلی :ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۹)، ص ۳۰۸۔

۲۔ فرہنگ عامرہ، محمد عبداللہ خان خویشگی (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۴)، ص ۲۳۔

۳۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۲)، ص ۱۵۔

۴۔ نور الہدی شاہ، "قدیم ادبی رسائل کے اداریے"، مشمولہ، آجکل، شمارہ نمبر ۹ (نئی دہلی: اپریل ۲۰۰۲)، ص ۳۔

۵۔ ابو الکلام قاسمی، "ادبی صحافت اور ادبی رویے"، مشمولہ، اردو صحافت ماضی اور حال، مرتبین: پروفیسر خالد محمود، ڈاکٹر سرور الہدی (نئی دہلی: مکتبہ جامعیہ، ۲۰۱۲)، ص ۱۰۰۔

۶۔ عبدالقادر، شیخ، "تحسین و نفرین"، مشمولہ، مخزن، شمارہ نمبر ۵ (لاہور: اپریل ۱۹۰۲)، ص ۳۔

۷۔ دیانرائن نگم، "علمی خبریں "مشمولہ، زمانہ، شمارہ ۲۲۰ (کان پور: جولائی ۱۹۲۱)، ص ۵۸۔

۸۔ عبدالحلیم شرر، "اردو لٹریچر اور محکمہ قوانین"، مشمولہ، دلگداز، شمارہ نمبر ۱۲ (لکھنو: دسمبر ۱۹۱۰)، ص ۲۳۔

۹۔ میر ناصر علی، "صلاے عام"، مشمولہ، صلاے عام، شمارہ نمبر ۱ (دہلی:، جنوری ۱۹۲۶)، ص ۱۹۔۱۸۔

۱۰۔ بشیر احمد، "بزم ہمایوں"، مشمولہ، ہمایوں، شمارہ نمبر ۵ (لاہور: نومبر ۱۹۲۳)، ص ۲۶۳۔

۱۱۔ محمد یوسف حسن، حکیم، "شذرات"، مشمولہ، نیرنگ خیال، شمارہ نمبر ۶ (لاہور: دسمبر ۱۹۲۴)، ص ۴۔۵۔

۱۲۔ محمد اکرام، شیخ، "لڑکیوں کی تعلیم میں نقص"، مشمولہ، عصمت، شمارہ نمبر ۲ (دہلی: ستمبر ۱۹۱۵)، ص ۶۹۔

۱۳۔ نیاز فتح پوری، "ملاحظات"، مشمولہ، نگار، شمارہ نمبر ۲ (بھوپال: اگست ۱۹۲۶)، ص ۵۔

۱۴۔ نیاز فتح پوری، "ملاحظات"، مشمولہ، نگار، شمارہ نمبر ۶ (لکھنو: جون ۱۹۲۷)، ص ۲۔

۱۵۔ نیاز فتح پوری، "ملاحظات"، مشمولہ، نگار، شمارہ ۳ (لکھنو: ستمبر ۱۹۳۰)، ص ۸۔